بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قریب قریب پینتالیس ماہ کے بعد ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا موقع فراہم کیا ہے کہ ہم اس کے دین کی سربلندی کے لیے پھر ایک بار منظم ہو کر جدوجہد کریں۔ اس کرم نوازی کے لیے ہم اس منعمِ حقیقی کا جس قدر شکر بجا لائیں اسی قدر کم ہے:

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ، اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔

اس وقت جبکہ جماعتِ اسلامی کی تشکیلِ جدید ہو رہی ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ پھر اس کے مقصد اور نصب العین کی وضاحت کر دیں تاکہ اس جماعت کی اصل حقیقت نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

ہماری اس ساری جدوجہد کا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ ہم خداوند تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بندے بن جائیں اور اس کی رضا حاصل کریں۔ ہمارا کعبۂ مقصود آخرت کی فلاح و کامرانی ہے۔ لیکن چونکہ جو راستہ ہمیں آخرت تک لے جانے والا ہے وہ دنیا ہی کی پُرپیچ وادیوں سے گزر کر جاتا ہے اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیوی زندگی کے لیے جو احکام اپنے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عطا فرمائے ہیں اُن کی غیر مشروط اور مخلصانہ پابندی ہی میں ہم اپنی اور پوری نوعِ بشری کی نجات سمجھتے ہیں۔ ہماری دلی آرزو ہے کہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ دنیا کو تنگی سے نجات دلا کر وسعت و کشائش

کی راہ دکھائیں ظلم و جور سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لائیں۔ بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں ان کے درمیان ہم محبت اور اخوت کے رشتے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری نظر میں انسانوں کے درمیان شریف و کمین کی تقسیم صحیح نہیں۔ ہم انسانوں کی خود ساختہ اونچ نیچ کے بھی قائل نہیں ہیں۔ ہم تمام آدمیوں کو ایک ہی اصل کی شاخیں سمجھتے ہیں اور سب کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک گیری ہمارا مقصد نہیں ہے۔

یہ نصب العین چونکہ محض ایک خوش کن فلسفہ نہیں بلکہ ایک نظامِ فکر و عمل ہے اس لیے بحیثیتِ مسلمان ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اس مقصد کے حصول کے لیے عملی جد و جہد کریں۔ اس مقصد کے ساتھ ہماری مخلصانہ وابستگی کا یہی ایک واحد معیار ہے۔ ہماری جد و جہد کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو نفس کی بندگی سے آزاد کریں، پھر اس نفس پرستی کی وجہ سے ہم نے غیر اللہ کے ساتھ عبودیت کا جو رشتہ اُستوار کر رکھا ہے اُسے یکسر منقطع کر دیں اور اپنی جملہ خود مختاریوں سے دستبردار ہو کر صرف خدائے واحد کی غلامی کا جُوا اپنی گردنوں میں پہن لیں۔

اسلام کا براہِ راست مخاطب فرد ہے۔ اور آخرت میں ایک فرد ہی کی حیثیت سے ہم سے ہمارے اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی لیکن چونکہ اس دنیا میں ہمیں ایک فرد کی حیثیت سے رکھا نہیں گیا بلکہ لا تعداد رشتوں میں باندھ کر اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے دینی تقاضوں کے تحت ہم اس بات کے لیے مجبور ہیں کہ ایک طرف خود احکامِ الٰہی کے پابند ہوں اور پھر انفرادیت کے دائرہ سے نکل کر اپنے گرد و پیش میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاحِ حال کی کوشش کریں اور اس طرح اپنے دائرہ کار کو یہاں تک وسیع کر دیں کہ پوری نوعِ بشری اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرے اور اس کرۂ

انہی پر اللہ کے دین کے علاوہ کسی دین کا تسلط باقی نہ رہے۔ جس طرح معاشرے کی اصلاح افراد کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح افراد بھی اللہ کے دین کی اُن کے سارے لوازمات کے ساتھ صرف اسی وقت پوری طرح پابندی کر سکتے ہیں جب سوسائٹی نے بحیثیت مجموعی دین کی بالادستی قبول کر لی ہو اور اُن سارے موانع کو راستہ سے ہٹا دیا ہو جو اطاعتِ خداوندی کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ انفرادی طور پر خواہ آپ کتنے ہی نیک اور خداترس ہوں لیکن آپ جب تک اس نیکی اور خداترسی کو پوری سوسائٹی میں پھیلانے کی کوشش نہ کریں گے تو آپ کو قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں گی اور آپ بہت سے ایسے کام کرنے پر مجبور ہوں گے جنہیں آپ دین کے تقاضوں کے سراسر منافی سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے آپ سخت جان ہوں اور اس تصادم کو برداشت کر لیں لیکن معاشرہ کے عام افراد اتنے سخت جان نہیں ہوتے۔ وہ جلد ہی جاہلیت کے ساتھ مصالحت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ پر عرصۂ حیات تنگ ہونا شروع ہوتا ہے۔ آپ ذرا اپنے محلوں پر نگاہ دوڑائیں اور دیکھیں کہ نیک اور شریف خاندانوں کے اندر آج جو نوخیز نسل پرورش پا رہی ہے وہ نیکی اور شرافت کے اعتبار سے اپنے والدین کے کتنی برعکس ہے۔ والدین بیچارے اس نسل کی پوری کوشش کے ساتھ حفاظت اور پاسبانی کرتے ہیں، اسے غیر اسلامی اثرات سے بچانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں لیکن غیر اسلامی تصورات کا ایک ہی ریلا آتا ہے اور اسے والدین کی نیک تمناؤں اور مقدس آرزوؤں کے علی الرغم بہا کر لے جاتا ہے اور یہ بیچارے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ ماحول کی قوت کا مقابلہ انفرادی کوشش سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اجتماعی جدوجہد ہی سے کیا جا سکتا ہے ہم جو بار بار اجتماعی زندگی کا تذکرہ کرتے ہیں تو اُس سے خدانخواستہ ہماری مراد یہ نہیں کہ انفرادی نیکی، پرہیزگاری اور تقویٰ کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور

یا ایک فرد کی اصلاح کو یکسر نظرانداز کر کے محض حکومت کے پیچھے پڑ سکتے ہیں ہم سے زیادہ
اور کسی دین کے ساتھ کوئی اور خیانت کرنے والا نہ ہوگا اگر ہمارے پیش نظر یہ بات رہے کہ ہم یہ سمجھتے
ہیں کہ ہمارا اصل مطلوب و مقصود رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کے لیے ایک ایک فرد کو اپنی
صلاحیت اور بصیرت کے مطابق کوشش کرنی چاہیے لیکن چونکہ اجتماعی بگاڑ اس کوشش کی راہ
میں حائل ہوتا ہے اس لیے اُسے اجتماعی نیکی سے بدلنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ کی
قوت سوسائٹی میں ممد و معاون ثابت ہو اور اس کے ذریعہ برائی کا استیصال کیا جا سکے۔

اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو جماعت اسلامی جس کا نصب العین صرف اعلائے
کلمۃ الحق ہے نہ اُن معنوں میں ایک مذہبی جماعت ہے جن معنوں میں کہ یہ لفظ مغرب میں
عام طور پر بولا جاتا ہے اور نہ اُن معنوں میں ایک سیاسی تحریک ہے جن معنوں میں یہ لفظ
ہمارے ہاں رائج ہے۔ یہ اوّل تا آخر ایک دینی جماعت ہے۔ دین ہی اس کی اساس اس کا
مبداء اور جوہرِ حیات ہے۔ اس کا سیاست سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ خود اسلام کا ہے۔
ہمارے نزدیک سیاست نہ تو کوئی شجرِ ممنوعہ ہے کہ اس سے مکمل اجتناب برتیں اور نہ ہی ہماری
غایت الغایات کہ ہم اپنی ساری توجہ اس کی طرف مرکوز کر دیں اور اسلامی تعلیمات کے باقی
شعبوں سے یکسر غافل ہو جائیں۔ سیاسی اقتدار ہماری منزلِ مقصود نہیں بلکہ مقصد کے حصول کا
ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ہمارے نزدیک اُس شخص یا گروہ سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جسے
جب اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ لوگوں پر اپنی کبریائی کے ٹھاٹھ جماتا ہے، ان پر اپنی یا اپنے دھڑے
کی بالادستی قائم کرتا ہے یا اُن میں اپنی نسل اور قوم کی خدائی کا سکہ چلاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ان شرانگیز
اور مفسدانہ خیالات کے لیے پناہ مانگتے ہیں اور اُس کے حضور میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان سے
محفوظ و مامون رکھے۔

سیاسی میدان میں ہماری جدوجہد کا مقصد بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ہم حیاتِ انسانی کے

باقی شعبوں کی طرح حکومت کو بھی قانونِ الٰہی کا پابند بنانا چاہتے ہیں اور اس بات کا عزم بالجزم رکھتے ہیں کہ اس کی غیر معمولی قوت و طاقت جو غیر اسلامی افکار و تصورات کی نشر و اشاعت میں بے دریغ صرف ہو رہی ہے اسے ہم اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ میں استعمال کریں۔ یہ ایک بالکل سیدھی سی بات ہے جس میں ہمیں کوئی اُلجھن نظر نہیں آتی۔ حکومت مال و متاع کی طرح ایک قوت ہے اگر اسے شراب پینے اور پلانے، فحاشی اور اسی قبیل کی دوسری برائیاں پھیلانے میں صرف کیا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ قوت غریبوں اور ناداروں اور مظلوموں کی دستگیری اور دادرسی کرنے میں، کمزوروں کو سہارا دینے میں، اور باحیا لوگوں کو آبرو باختہ لوگوں کی دستبرد سے بچانے میں صرف نہ کیا جاتے ——— آخر کیا وجہ ہے کہ ظلم و استبداد یہاں دندناتا پھر رہا ہے لیکن کوئی نہیں جو اس پر قدغن لگاتے اور اسے یہاں سے ختم کرنے کی کوشش کرے۔ کتنے بدنصیب ماں باپ بچوں کی جدائی میں زندہ درگور ہیں اور انہوں نے اُن کے فراق میں رو رو کر اپنی بصارت تک کھو دی ہے لیکن اُن کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ جو اقتدار ننھی منھی اور معصوم جانوں کی حفاظت اور پاسبانی کرنے کی بجائے آرٹ کلبوں کی تشکیل میں منہمک ہو اور جس کی قوتیں منکرات پھیلانے میں صرف کی جا رہی ہوں اُسے اگر جھنجھوڑنا، اس کے فرائض یاد دلانا، اور اگر وہ خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہو تو اُسے ہٹا کر کسی نیک، خداترس اور حساس قیادت کو اقتدار کے تخت پر متمکن کرنا "سیاست" ہے تو پھر ہم واقعی اس "جرم" کے مرتکب ہیں اور ہم اس سے براءت کا اعلان کرنے کی بجائے اس نعمتِ خداوندی پر مالکِ حقیقی کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے ہمیں جباروں اور قہاروں کے سامنے سخت نامساعد حالات میں کلمۂ حق کہنے کی توفیق دی۔

ہمارا یہ "سیاسی شغف" بفضلِ ایزدی کسی ذاتی لالچ کا نتیجہ نہیں بلکہ ہمارے دین اور ایمان کا تقاضا ہے۔ ہمارے خالق نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک کہ اللہ کا دین سارے ادیان پر غالب نہ ہو جاتے ہمیں ہمارے ہادیٔ برحق نے یہ تعلیم دی ہے

کہ ہم جب کسی منکر کو دیکھیں تو اُسے قوت کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں اور اگر اس چیز کی ہمت ہم میں ناپید ہو تو ہم زبان کے ساتھ اُس کی مذمت کریں اور اگر یہ بھی نہ کر سکیں تو کم از کم اُسے دل و جان سے تو بُرا سمجھیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارے سامنے جور و جفا کے لرزہ خیز مناظر آئیں، عفت مآب بہو بیٹیوں کی عزت و آبرو پر حملے کیے جائیں، قتل و غارت کا بازار گرم ہو، غریب روٹی کے ایک لقمہ کے لیے ترستے رہیں اور ان کی محنت و مشقت پر ایک بالکل مختصر سا طبقہ دادِ عیش دیتا رہے اور ہم یہ سارے روح فرسا واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود صرف اس لیے خاموش رہیں کہ ہمارے دامنِ صدق و صفا پر سیاست کے چھینٹے نہ پڑنے پائیں۔ اس قسم کی عافیت کوشی ہم اسلام کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہمیں قیامت کے روز گونگے شیطان کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا اگر ہم ان پُرآشوب حالات میں مہر بلب رہیں اور قوت کے ان سرچشموں کو اپنے وسائل کی حد تک خدا ترس لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کی کوشش نہ کریں جن سے محض ہماری غفلت کی بنا پر جبر و استبداد فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر یہ طاقت کفر کی ترویج و اشاعت میں خرچ ہو سکتی ہے تو یہ اسلام کی سربلندی کے لیے کیونکر صرف نہیں ہو سکتی۔

حکومت و ریاست یوں تو شروع ہی سے قوت و طاقت کا مظہر رہی ہے اور عوام و خواص اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِم کے رنگا رنگ مظاہر دیکھتے رہے ہیں لیکن دورِ جدید میں اقتدار کی اثر آفرینی نہایت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ سائنس کی حیرت انگیز ایجادات کی وجہ سے زمان و مکان پر انسان کا کافی حد تک تسلط قائم ہو چکا ہے اور زندگی کے مختلف گوشے سمٹ کر ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے ہیں کہ کسی گوشے کو بھی اقتدار کی دستبرد سے بچایا نہیں جا سکتا۔ پہلے بھی جس نظریہ کو حکومت کی نصرت و تائید حاصل ہوتی تھی وہ بڑی تیزی کے ساتھ عوام میں اثر و نفوذ حاصل کر لیتا تھا لیکن ہمارے اس عہد میں ریاست کا دائرہ کار غیر معمولی حد تک وسیع ہو گیا ہے

اور اس کی قوت وطاقت میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے۔ اس بنا پر اقتدار کو دین کا خادم بنائے بغیر اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد اپنے اندر یقیناً ثواب اور جزا کے بہت سے پہلو رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کی ہر طرح مستحق ہے لیکن اس میں حکمت کا وہ عنصر غائب ہے جسے مومن کی میراث کہا گیا ہے۔ یہ اسی طرح کی کوشش ہوگی کہ کوئی مومن صادق کفار کے مقابلے میں جو لڑائی کے جدید ترین اسلحہ سے پوری طرح مسلح ہیں تیر و تفنگ لے کر صف آرا ہو جاتے۔ ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اُسے کامیاب و کامران کر دے لیکن اس کوشش کو بہرحال کوئی حکیمانہ کوشش نہیں کہا جا سکتا۔ اخلاص اپنی جگہ بڑی ہی قابلِ قدر چیز ہے اور یہ بسا اوقات بہت سے اسباب و وسائل کے مقابلے میں زیادہ وزنی ثابت ہوتا ہے لیکن اگر اسی اخلاص، اسی خداترسی اور اسی نیکی کے ساتھ حکمت کا جزو بھی شامل کر دیا جاتے تو اس سے بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اس حکمت کو نظر انداز کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسے استعمال کرنے کی تلقین کی ہے۔

بات بلاشبہ کچھ تلخ ہے، لیکن اگر تلخ نوائی معاف ہو تو ہم یہ عرض کریں گے کہ مسلم قوم کے ساتھ اس سے بڑی بے وفائی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس غریب قوم سے اس کے گاڑھے پسینے کی کمائی مختلف حیلوں اور بہانوں سے چھین کر خزانے بھرے جائیں اور پھر ان خزانوں کو ایسے کاموں پر صرف کیا جائے جو اُس کے دین و ایمان کو غارت کرنے والے ہیں۔ ان بدنصیب لوگوں کے سروں پر اپنے اقتدار کا تخت بچھایا جائے اور پھر اس پر متمکن ہو کر انہیں اُن کی خواہش کے برعکس لاٹھی کے زور سے اُن راہوں کی طرف ہانکنے کی مذموم کوشش کی جاتے جو انہیں فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے کی بجاتے تباہی و بربادی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اس جمہوری دور میں یہ ظلم و زیادتی مسلمان ملکوں میں عام دکھائی دیتی ہے۔ ان بدنصیب ممالک میں سے کوئی ملک بھی ایسا نہیں جہاں اقتدار عوام کی

خواہشات اور تمناؤں کا مظہر ہو۔ مسلمانوں کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور محبت بلا شبہ کسی حد تک کم ہو گئی ہے لیکن ہمارا احساس یہ ہے کہ وہ دین کے بارے میں ابھی اتنے بے حس نہیں ہوتے کہ انہیں اپنی دولت کو شراب خوری اور اس نوعیت کی دوسری اخلاق سوز سرگرمیوں پر صرف ہوتے دیکھ کر کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہوتی ہو۔ وہ یقیناً ان اخلاق باختہ سرگرمیوں سے نالاں ہیں لیکن ان کے اندر اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ اقتدار کو انہیں ختم کرنے پر مجبور کر سکیں۔ دنیاوی مصلحتوں نے انہیں عافیت کوش بنا دیا ہے۔ مسلمان ممالک میں مغرب پرست حکام اور اسلام پسند عوام کے درمیان جو کشمکش گزشتہ ایک صدی سے جاری ہے وہ اسی شدید بے چینی کی غمازی کرتی ہے۔ ایک طرف ایک نہایت ہی مختصر سا طبقہ پولیس اور فوج کے بل بوتے پر ملک کے پورے وسائل پر قابض ہے اور وہ ان وسائل کو اسلام کے خلاف استعمال کرنے میں پیہم مصروف ہے اور دوسری طرف بے بس عوام جن کی حیثیت اس طبقہ نے بھیڑوں کے گلہ کی سی بنا دی ہے، اپنے اس قومی زیاں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔ آخر غور کیجیے اُن کی اس بے بسی کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ غیر اسلامی طاقتیں منظم ہیں اور اقتدار کے تخت پر قابض ہیں اور ان کے برعکس ان ممالک کی عظیم اکثریت، جس کے دل میں ابھی تک اسلام کا درد موجود ہے انسانوں کی محض ایک بھیڑ بن کر رہ گئی ہے جسے اقتدار کی قوت جس طرح چاہتی ہے میکانکی طور پر ہانک کرلے جاتی ہے۔

ہمارے طریقِ کار سے کسی شخص کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ہماری عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے سمجھنے کی معمولی صلاحیت بھی دی ہے، یا جس کے پہلو میں پتھر نہیں بلکہ دل موجود ہے وہ مسلمان ممالک میں موجودہ صورتِ حال کو اسلام اور حق و انصاف کے مطابق سمجھتا ہو اور اسے بدلنے کا متمنی نہ ہو۔ آخر ہم مسلمان رہتے ہوئے حکومت [illegible]

طرزِ عمل کے بارے میں کس طرح غیر متعلق تماشائی بن سکتے ہیں۔ اسلام ہم سے بار بار اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اپنی ساری قوتیں، اپنی ساری صلاحیتیں، اپنے اسباب و وسائل اُس کے دین کی سربلندی کے لیے صرف کریں۔ حکومت ہماری اجتماعی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے اس مرکز کو ہم جان بوجھ کر غیر اسلامی سرگرمیوں کا اڈا کس طرح بنا سکتے ہیں۔ جس طرح ایمان کا شعور حاصل ہو جانے کے بعد ہم پر سب سے پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے قلب و دماغ سے غیر اسلامی نظریات کی جھاڑ جھنکار صاف کر کے اس میں خشیتِ الٰہی کے بیج بوئیں اور صالح اعمال سے ان کی آبیاری کریں تاکہ سیرت و کردار کے پھول کھل کر پوری فضا کو معطر کر دیں۔ بالکل اسی طرح ہم پر ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ بات بھی لازم ہے کہ ہم اپنی اجتماعی قوت کے مختلف مراکز سے جاہلیت کی اکاس بیل کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیں اور وہاں اسلام کے سایہ دار شجر کو جڑ پکڑنے کے پورے مواقع فراہم کریں تاکہ زخموں سے چُور انسانیت اس کے زیرِ اثر پناہ لیکر آرام اور سکون حاصل کر سکے۔

یقین کیجیے ہمارے اس "سیاسی طرزِ عمل" پر جب کبھی گرفت کی گئی تو ہم نے ایمانداری کے ساتھ اس مسئلہ پر بار بار غور کیا، اس پر مختلف انداز سے سوچا۔ گرفت کرنے والوں کی امانت و دیانت، اخلاص اور اسلام سے گہری محبت کو سامنے رکھ کر اس طرزِ عمل کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا لیکن ہم بڑی صاف گوئی سے یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم پر "سیاست کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے" کی غلطی واضح نہیں ہو سکی۔ ہم یہ بات ابھی تک سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب انفرادی طور پر ہم اسلام کے خادم ہیں تو ہماری انفرادی کوششوں کے تعامل سے جو اجتماعی قوت پیدا ہوتی ہے اسے ہم اسلام کی خدمت اور چاکری میں کیوں نہ صرف کریں اور جو لوگ کہ اس راہ میں محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر حائل ہو رہے ہیں انہیں یا تو راہِ راست پر لانے کے لیے جد و جہد کریں یا بصورتِ دیگر

انہیں اس راہ سے ہٹا دیں۔ یہ ایک سیدھی سی منطق ہے جس میں کوئی ایچ پیچ نہیں۔ یہ ہم سے ہمارے دین کا مطالبہ ہے، یہ ہمارا جمہوری حق ہے اور یہ حق و انصاف کا ایک ایسا تقاضا ہے جس سے ہمیں دنیا کی کوئی قوت باز نہیں رکھ سکتی۔ ہمیں تو یہ بات اسلام اور حق و انصاف کے منافی نظر آتی ہے کہ کوئی گروہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہے اور بر سر اقتدار آنے کے بعد وہ ایسے کاموں کی پشت پناہی شروع کر دے جو اسلام کی عین ضد ہیں۔ وہ مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو مسلم معاشرہ میں منکرات پھیلانے اور ان کے مال کو فیشن پرستی اور عیاشی کو فروغ دینے اور عورتوں کو اخلاق سوز مظاہرے کرنے پر خرچ کرے۔ اس طرز عمل کو ہم امانت اور دیانت کے خلاف سمجھتے ہیں اگر کسی طبقہ کو یہ سرگرمیاں عزیز ہیں تو پھر دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی ایسی قوم میں جا کر اپنی قسمت آزمائی کرے جسے ان سرگرمیوں سے محبت ہو اور وہ انہیں اپنے معاشرے میں پھیلانے کے لیے بیتاب ہوں۔ ان مغرب پرستوں کے اپنے نظریات کے مطابق بھی حکومت کو عوامی خواہشات اور تمناؤں کا مظہر ہونا چاہیے۔ اور یہ وہ سبق ہے جسے یہ لوگ دن رات دہراتے رہتے ہیں لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اقتدار کے تخت پر براجمان ہوتے ہی یہ سبق انہیں کیوں بھول جاتا ہے۔ کیا انہوں نے معاملہ کے اس پہلو پر کبھی غور کیا ہے؟ افلا یتدبرون۔

بے جا نہ ہوگا اگر اس موقع پر ایک دو باتیں ہم اُن حضرات کی خدمت میں بھی عرض کر دیں جو جماعت اسلامی سے کسی حیثیت سے بھی وابستہ ہیں یا وابستہ ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں پہلی بات جو ہم ان کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ براہ کرم اس جماعت کی نوعیت کو واضح طور پر سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ یہ خالصتاً ایک دینی قافلہ ہے۔ ایک ایسا قافلہ جس کی قیادت کا منصب تاریخ کے مختلف ادوار میں انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں رہا ہے، اور اس قافلہ کے سالار اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے، اس کی سربراہی اُمت کے بڑے بڑے ائمہ اور

صلحائے امت نے کی ہے۔ ہمیں اس امر کا پوری طرح اعتراف ہے کہ سیرت و کردار، اخلاق و اطوار کے اعتبار سے ہمیں ان نفوسِ قدسی سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں لیکن یہ بات ہم کسی فخر کی بنا پر نہیں بلکہ محض اعترافِ نعمت کے طور پر عرض کرتے ہیں کہ ہماری ساری کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود ہم اپنے سامنے منزل وہی رکھتے ہیں جو ہمارے ہادیٔ برحق سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے متعین فرمائی ہے۔ اس بنا پر دین ہی ہماری اساس، اور ہمارے فکر و عمل کا اصل محرک ہے۔ یہ ہماری تحریک کا منبع و مولد بھی ہے اور مشعل راہ بھی۔ ہم اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ زندگی کے کسی دائرہ میں بھی خواہ اُس کا تعلق قانون و اجتماع سے ہو، تہذیب و تمدن سے، معیشت و معاشرت سے یا اخلاق و روحانیت سے، ہم دین کو نظرانداز کرکے کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ اور اگر کبھی ہم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو ہم دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل اور رسوا ہوں گے۔ بہت سی ایسی چیزیں جو دوسروں کے لیے بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں، ہمارے لیے سرے سے بیکار ہیں بلکہ بہت حد تک نقصان دہ ہیں اور بہت سی ایسی خوبیاں جنہیں دوسرے لوگ جنون، رجعت پسندی اور تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہمارے نزدیک بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

ہم جس قافلہ کے ساتھ وابستہ ہیں اُس کی منزلِ مقصود نہ تو ملک گیری اور کشور کشائی ہے اور نہ مال و متاع کا حصول۔ ہماری منزل کا پہلا قدم بھی رضائے الٰہی ہے اور آخری قدم بھی اپنے آقا و مولیٰ کی خوشنودی۔ اس ایک مقصد کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد نہیں یہی ہماری اصل غایت ہے اور اسی کے حصول کی خاطر ہم میدان میں اترے ہیں۔ جس دن ہم سے ہمارا یہ مقصد اوجھل ہوگیا سمجھ لیجیے اُسی دن ہم دنیا اور آخرت دونوں میں نامراد ہوگئے۔ اس بنا پر ہماری کامیابی کا اندازہ کرنے کے لیے کچھ دوسرے پیمانے ہیں جو دنیا پرستوں کو بڑے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کے نزدیک کسی تحریک کی کامیابی کا انحصار افراد کی تعداد اور مادی اسباب

وہ وسائل کی زیادتی پر ہے لیکن ہمارے نزدیک ہمارے قافلے کی کامیابی کا سارا دارومدار ہماری اخلاقی قوت پر ہے۔ یہ ہمارا ایک زبردست سہارا ہے۔ ملکی انتخاب یا مسابقت کے دوسرے میدانوں میں بازی ہار جانا ہمارے لیے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن ہم اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ اخلاقی میدان میں شکست کھا جانے کے بعد مال و متاع کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار یا عزوجاہ کی کوئی اونچی سے اونچی سطح ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں کر سکتی۔ جب اخلاقی دائرے میں ہم پسپا ہو جائیں تو پوری دنیا کا غلبہ اور اقتدار بھی ہمارے کسی کام نہیں آسکتا۔ یہ ہمارے لیے بالکل عبث اور بیکار ہے بلکہ انتہائی خطرناک اور نقصان دہ۔ کیونکہ قیامت کے دن جب ہمارے خلاف اللہ کے حضورؐ میں استغاثہ قائم کیا جائے گا تو انصاف طلب کرنے والوں میں ایک مدعی خود اقتدار بھی ہوگا اور وہ کہیگا "بارالہا! میں نے اپنی عنانِ اختیار ان اسلام کے دعویداروں کے سپرد کی تاکہ یہ میری قوت کو دین کی سربلندی کے لیے صرف کریں لیکن انہوں نے اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ میری توانائی کو جاہلیت کے فروغ دینے میں کھپاتے رہے۔ اے میرے مالک و خالق! میں بہرحال اس معاملے میں بری الذمہ ہوں، اے میرے مولا! ان لوگوں نے مجھ پر ظلم اور زیادتی کی ہے براہِ کرم دادرسی فرما"

بالکل اسی طرح مال و اسباب کی فراوانی جو دوسری تحریکوں کے لیے قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے ہمارے لیے اسی صورت میں مفید اور کارآمد ہے جب ہمارے عمل کا محرک صرف اللہ کی محبت ہو اور اگر یہ جذبہ سرد پڑ جاتے تو پھر یہ مال و اسباب ہماری ترقی کی ضمانت نہیں بلکہ ہماری بربادی کا پیغام ہیں۔ مقوی غذا اسی شخص کے لیے نافع اور فائدہ مند ہوتی ہے جس کا معدہ صحیح طور پر کام کر رہا ہو۔ ایک علیل اور بیمار انسان کے لیے یہ غذا ضرر رساں ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم اخلاقی طور پر صحت مند ہیں، اگر ہم دین کے معاملے میں مخلص ہیں، اگر ہمارا اپنے مالک سے رشتہ صحیح اور درست ہے تو پھر یہ دنیاوی وسائل

ہمارے لیے خیر و برکت کا موجب ہیں ورنہ یہ ہمارے لیے اسی طرح تباہ کن ہیں جس طرح کہ کسی دیوانے کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ دے کر اسے انسانوں کی بستیوں میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔

اس حقیقت کو اچھی طرح دل و دماغ میں بٹھا لیجیے کہ ہماری منزل جاہلیت کی منزل سے یکسر مختلف ہے اور اس بنا پر ہمارے فکر و نگاہ کے زاویے، ہمارے افعال و اعمال کے محرکات، ہمارے کامیابی و ناکامی کے معیار، ہمارے خوب و ناخوب کے پیمانے، ہماری دوستیوں اور دشمنیوں کے انداز، الغرض ہماری پوری جدوجہد غیر مسلم قوموں کی جدوجہد سے یکسر الگ اور جداگانہ ہے۔

خشیتِ الٰہی ہمارے اس قافلہ کی طاقت کا سرچشمہ ہے، للّٰہیت اس کا زادِ سفر، تقویٰ اور پرہیزگاری اس کی اصل پونجی، جس کے بل بوتے پر یہ قافلہ آگے بڑھتا ہے۔ اللہ کی محبت اسے سرگرمِ عمل کرتی ہے، خدا ترسی اسے جادۂ مستقیم پر گامزن رکھتی ہے، اور اپنے مالک اور خالق کا خوف اور احساسِ جواب دہی اسے غلط راستوں پر بھٹکنے سے روکتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں پر بھروسہ اور اعتماد اور آخرت میں اس کی نعمتوں اور نوازشات کی توقعات اسے یہ ہمت اور توانائی بخشتی ہیں کہ وہ نہایت نامساعد اور حوصلہ شکن حالات میں بھی مایوس نہ ہونے پاتے اور ایک آن دیکھے خدا پر یقین رکھتے ہوئے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

اپنے رب اور خالق پر پختہ ایمان، اور اپنی دعوت کے صحیح ہونے کا گہرا یقین، یہ وہ نقطۂ آغاز ہے جس سے کوئی خادمِ دین جماعت اپنے کام کو شروع کرتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس بلند و بالا ذات کی رضا جوئی کے لیے اس سفر کا آغاز کیا جا رہا ہے اور جس منزلِ مقصود کے حصول کے لیے یہ ساری تگ و دو ہو رہی ہے، اگر اس کی ذات پر غیر معمولی اعتماد اور اس کے بتائے ہوئے راستے کی صحت کا کامل یقین نہ ہو گا تو اس قافلے کے جلد ہی حوصلے

پست ہو جائیں گے اور چند قدم اٹھانے کے بعد یہ حرص و ہوا کی بھول بھلیوں میں گرفتار ہو کر اپنا راستہ کھو دیگا۔ قرآن و سنّت میں اس امر کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ — اُس زندہ و جاوید ذات پر بھروسہ کرو جسے فنا نہیں۔ (فرقان - ۵)

پھر ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (آل عمران ۱۲۲) — جو مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے

اس توکّل کے ساتھ دوسری اہم صفت استقامت ہے۔ یعنی آپ کا اللہ پر بھروسہ کسی وقتی جوش کا نتیجہ نہ ہو بلکہ آپ اس مسلک پر ہمیشہ، ہر قسم کے حالات میں مضبوطی سے قائم رہیں۔ ایمان کی شمع جب ایک مرتبہ دل و دماغ میں روشن ہو جائے تو پھر مخالفتوں کی شدید سے شدید آندھیاں یا فتنوں کے خوفناک سے خوفناک جھکڑ اسے بجھا نہ سکیں۔ ایمان فی الحقیقت ایک عشق ہے کہ جب کوئی شخص اس میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پھر اس راہ کی کوئی مزاحمت، مزاحمت نہیں معلوم ہوتی، کوئی مصیبت مصیبت نہیں رہتی اور شوقِ منزل انسان کو راستے کی تمام دشواریوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ عشق کی آگ سارے مصائب و شدائد اور تمام آلامِ حیات کو جلا کر خاک کر دیتی ہے:

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ہوا اُسے غمِ جاناں بنا دیا

قرآن مجید میں اس امر کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم ہوتا ہے

إِنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا — تمہارا معبود ایک ہی ہے، سو اللہ کی راہ میں

إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ۔ (حٰم السجدہ - ۱)	استقامت اختیار کرو اور اس سے اپنے گناہ کی معافی طلب کرو۔
فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (ہود - ۱۰)	(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو ثابت قدم رہ جیسے کہ تجھے حکم دیا گیا ہے۔
إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (احقاف - ۲)	بے شک جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہی ہے۔ وہ پھر اس بات پر ثابت قدم رہے تو اُن کے لیے نہ تو کوئی ڈر ہے اور نہ کوئی خوف۔

حضرت ابو عمرو سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ دربارِ رسالت میں عرض کی کہ مجھے براہِ کرم اسلام کے بارے میں کوئی ایسی حقیقت بتا دیں جس کے سمجھ لینے کے بعد پھر مجھے کسی دوسرے سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے تو آپ نے اپنے مخصوص بلیغانہ انداز میں فرمایا:

"تم اللہ کا اقرار کرو اور پھر اس پر ثابت قدم رہو" (صحیح مسلم)

ایمان باللہ اور پھر اس میں استقامت کے علاوہ ایک ضروری چیز اسلام کی دعوت پر مکمل یقین ہے۔ ایک انسان کو جب تک اُس دعوت کے صحیح ہونے پر پورا پورا اعتماد نہ ہوگا وہ اس دعوت کو کبھی بھی یکسوئی اور عزم کے ساتھ پیش نہ کر سکے گا۔ دین کی دعوت کوئی فلسفیانہ مباحثہ نہیں جس میں شک و شبہ اور اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ یہ اللہ کا نازل کردہ ضابطۂ حیات ہے جسے اُس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ اور شک نہیں۔ اس کی صحت کے بارے میں کبھی دو رائیں نہیں ہو سکتیں اس میں مداہنت کی کوئی صورت پیدا نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایک مکمل دین ہے، ہر عیب سے

پاک اور ہر سقم سے مبّرا یہی ایک راستہ ہے جسے اختیار کرنے کے بعد انسان دنیا اور آخرت کی سعادتیں حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ بالکل لغو اور بیکار ہے۔ چنانچہ قرآن و سنت میں اس کی پوری تصریح موجود ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران۔ آیت ۱۹)
اللہ کے نزدیک (صحیح) دین تو بس اسلام ہی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (سورۃ آل عمران)
جس کسی نے اسلام کے سوا کسی دین کی پیروی کی تو وہ دین ہرگز اُس سے قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا

پھر دیکھیے کس دعویٰ اور تحدّی کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (سورۃ انعام)
(اسے پیغمبر) یہ بھی کہہ دیجیے، کہ میری سیدھی شاہراہ یہی ہے، سو اسی پر گامزن ہو، اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اُس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

جب تک انسان کے دل و دماغ میں اسلام پر پوری طرح اعتماد نہ پیدا ہو مجرد اس تصدیق سے کہ اللہ ایک ہے، حضور سرور دو عالم اُس کے آخری نبی ہیں اور اسلام اُس کا دلپسند دین ہے، آدمی ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا۔

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربًّا وبالاسلام دینًا وبمحمدٍ رسولا مسلم
وہ شخص ایمان سے صحیح معنوں میں لذت آشنا ہُوا جو اللہ کے اپنا رب ہونے پر، اسلام کے اپنا دین ہونے پر، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنا رسول ہونے پر مطمئن ہو گیا۔

یہی وہ لازوال اعتماد ہے جس کی غمازی حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کرتی ہے اور جس کی آپ نے بار بار تلقین فرمائی ہے۔ احادیث اور سیرت کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مخالفتوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔ مونس اور غمخوار چچا جس نے آپ کو اپنی آغوشِ محبت میں پالا تھا اور جس کی شفقت آپ کے لیے دنیاوی سہاروں میں ایک بہت بڑا سہارا تھی۔ اس نے بھی گھبرا کر یہ نصیحت کی:

"اے میرے محبوب بھائی کے لختِ جگر! تمہاری قوم میرے پاس آئی تھی اور اُس نے مجھ سے تمہارے متعلق یہ شکایت کی ہے کہ تم اُس کے معبودوں کو گالیاں دیتے ہو، اُس کے دین میں عیب نکالتے ہو، اُس کے عقلمندوں کو بیوقوف اور اُس کے بزرگوں کو گمراہ ٹھہراتے ہو۔ اے میرے بیٹے مجھ پر رحم کرو اور خود اپنی جان پر بھی رحم کھاؤ۔ مجھ پر ایسا بار نہ ڈالو جس کا میں متحمل نہیں ہو سکتا"۔

راوی کا بیان ہے کہ حضور سرورِ دو عالمؐ جب اپنے چچا کے یہ الفاظ سنے تو انہیں اس امر کا احساس ہوا کہ شاید اب چچا کی حمایت انہیں حاصل نہ رہے کیونکہ وہ مخالفتوں اور مخاصمتوں کے اس ہجوم میں اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں۔ ان پرآشوب حالات میں جب عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ دنیاوی سہارے ایک ایک کر کے ٹوٹ رہے تھے اُس وقت حضورؐ نے پورے عزم کے ساتھ ارشاد فرمایا:

یا عم واللہ لو وضعوا الشمس	اے میرے چچا! قسم ہے خدائے بزرگ و
فی یمینی والقمر فی یساری علی ان	برتر کی اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر

اُترک هذا الامر حتی یظهره الله او اهلك فیه ما ترکته ۔

(سیرت ابن ہشام)

سورج اور بائیں پر چاند بھی رکھ دیں کہ میں اس دعوت کو ترک کر دوں تو میں اسے ہرگز ترک نہ کروں گا میں مسلسل جدوجہد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ عطا کرے یا پھر میں اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دوں۔

ایک دوسرے مقام پر اس سعی و جہد کے سرور کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ولوددتُ انی اقتل فی سبیل الله ثم احیا ثم اقتل، ثم احیا ثم اقتل [1]

میں اس بات کا آرزومند ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں مجھے دوبارہ زندگی عطا کی جائے اور پھر میں شہید کیا جاؤں پھر مجھے زندگی عطا کی جائے اور پھر میری جان اس کی راہ میں نثار ہو۔

پھر فرمایا:

مثل المجاهد فی سبیل الله کمثل الصائم القائم القانت بآیات الله لا یفطر من صیام ولا صلوٰة حتی یرجع المجاهد فی سبیل الله و توکل الله للمجاهد فی سبیله بان یتوفاه ان یدخله الجنة، او یرجعه سالما مع ما نال من اجر وغنیمة [2]

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا شخص جب تک میدانِ جہاد سے واپس نہیں لوٹتا اُس وقت تک اس کی حیثیت اُس شخص کی ہے جو دائمی روزہ دار ہو، شب بیدار ہو، ذکر اللہ میں محو رہتا ہو اور نماز و روزے سے کبھی نہ اکتاتا ہو۔ ایسے شخص کو خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کی ضمانت دی ہے کہ راہ خدا میں شہید ہونے کی صورت میں اُسے جنت میں داخل کیا جائیگا اور زندہ واپس لوٹنے کی صورت میں وہ اجرِ الٰہی کا مستحق ہوگا اور غنائم سے مالا مال ہوگا۔

[1] رواه الامام احمد والبخاری ومسلم والنسائی من حدیث ابی ہریرہ ۔ بحوالہ زاد المعاد جلد دوم ص ۱۵۵

[2] اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی من حدیث ابی ہریرۃ ۔ " " " " " ص ۱۵۶

ایک مومن صادق صرف اسلام کی دعوت پر ہی غیر متزلزل یقین نہیں رکھتا بلکہ اُسے اس کے نتائج پر بھی پورا پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ خواہ اس راہ میں کتنی مشکلات اور کتنے موانع درپیش ہوں لیکن اللہ کا دین بالضرور دنیا میں غالب ہو کر رہیگا۔ دشمنوں کی فتنہ پردازیاں، ظالموں کی چیرہ دستیاں، منافقوں کی ریشہ دوانیاں لازمی طور پر ختم ہونگی اور فتنہ و فساد کی اس تاریک فضا سے دینِ حق کا آفتاب طلوع ہو کر پوری کائنات کو اپنی زندگی بخش شعاعوں سے منور کر دے گا۔

حضرت ابو عبداللہ خباب بن الارت سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور سرورِ دو عالم اُس وقت چادر اوڑھے کعبہ کے سایہ میں ٹیک لگا کر آرام فرما رہے تھے۔ میں نے بارگاہ نبوی میں عرض کی: اے ہادیٔ برحق آپ ہمارے لیے باری تعالیٰ سے تائید و نصرت کی دعا کیوں نہیں کرتے؟ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگلی امتوں میں دینِ حق کے علمبردار ظالموں کے پنجۂ استبداد میں کسے جاتے رہے ہیں۔ دشمنانِ دین اُن کے لیے گڑھے کھودتے اور ان میں انہیں گاڑ دیا جاتا۔ پھر ان کے سروں پر آرہ رکھ کر چلایا جاتا اور اس طرح اُن کے سر کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ اُن کے جسموں پر لوہے کی کنگھی کی جاتی جو ہڈی اور گوشت میں دھنستی ہوئی نکل جاتی تھی۔ مگر یہ سارے مصائب و شدائد ان کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہ پیدا کر سکے اور دین کے ساتھ اُن کی وابستگی میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ قسم ہے اس ذاتِ برحق کی، میرا خالق اس مقدس کام کو ضرور پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت کی طرف چلے گا اور اسے سوائے خوفِ الٰہی کے اور کسی کا خوف لاحق نہ ہوگا۔ البتہ ایک چرواہے کو اپنی بھیڑ بکریوں کے متعلق بھیڑیئے کا ڈر ہوگا۔ لیکن آخر تم جلد بازی سے کیوں کام لیتے ہو؟